(۳۱)

(فرمودہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء بمقام عید گاہ۔ قادیان)

دنیا میں ہر قوم اپنی خوشی کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ تجویز کرتی اور اپنے مشہور واقعات کی یادگار منانے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ کیا ہندو اور کیا سکھ اور کیا مسلمان اور کیا عیسائی اور کیا یہودی سب ہی قوموں میں ایسے ایام پائے جاتے ہیں جو ان کے بزرگوں کی کسی کامیابی کی یاد میں خوشی کے دن کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ استثنائی صورت فرقوں میں سے ایک شیعوں کے فرقہ کی ہے جو بجائے خوشی کا دن منانے کے رنج کا دن مناتا ہے۔ مگر بہر حال شیعوں کا رنج بھی ایک ایسی ہستی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیاروں میں سے تھی اور جس کی موت یا شہادت اللہ تعالیٰ کی خاطر اور دین کی خاطر ہوئی تھی۔[1] ان یادگاروں کے علاوہ دنیوی یادگاریں بھی ہوتی ہیں چنانچہ بعض قومیں اپنی فتح کے نشانات قائم کرتی ہیں، بعض قومیں اپنے کسی دشمن کی تباہی کے نشانات قائم کرتی ہیں اور بعض قومیں اپنی کسی خاص اقتصادی یا سیاسی کامیابی کے نشانات قائم کرتی ہیں۔ ان میں سے سوائے ان ایام کے جو جسمانی تعیّش کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور سوائے ان ایام کے جو انسانی فطرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں باقی ایام کا اگر دینی یادگاروں سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں ان میں ایک بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً موسموں کی تبدیلی ہے۔ جن علاقوں میں سخت سردی پڑتی ہے ان میں جب گرمی کا موسم آتا ہے تو قدرتی طور پر سب کے اندر ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ خوشی منانے کے لئے کوئی نہ کوئی طریق اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں برسات کا موسم اور بہار کا موسم خاص طور پر اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ بہار میں لوگ باغوں میں جانا اور سیرو تفریح کرنا پسند کرتے ہیں اور برسات میں عورتیں جھولے جھولنا پسند کرتی ہیں۔ اسی طرح لوگ اس موسم میں آموں کی پارٹیوں اور نہروں اور دریاؤں پر نہانے کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت قومی ایام نہیں بلکہ موسمی ایام ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کے دل میں بھی اگر وہ انگلستان میں رہتا ہو تو مئی کے دنوں میں خوشی کی لہر پیدا ہو جائے گی اور وہ کہے گا کہ اب سردی کی تکلیف کے دن ختم ہونے لگے ہیں۔ اسی

طرح ایک عیسائی اور یہودی کے دل میں بھی اگر وہ ہندوستان میں رہتے ہوں بہار کے موسم میں جب سخت سردی جاتی رہتی ہے یا برسات کے موسم میں جب گرمی کے بادل اُڈ اُڈ کر آتے ہیں خوشی کی لہر پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ بغیر اس کے کہ کسی کا کیا مذہب ہے ان دنوں ہر شخص راحت اور آرام محسوس کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کچھ دیر کے لئے ایسی جگہ جائے جو زیادہ آرام دہ ہو۔ اس طرح ہر شخص ان ایام کو خوشی کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر باقی ایام جو موسمی تغیرات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ان کا اگر ہم دینی واقعات کے ساتھ تعلق رکھنے والے خوشی کے دنوں سے مقابلہ کریں تو ہمیں عظیم الشان فرق نظر آتا ہے اور پتہ لگتا ہے کہ انبیاءؑ کے کاموں یا ان کے اظلال سے تعلق رکھنے والی باتوں میں اور دنیا کی کسی اپنی قائم کردہ یادگار میں کس قدر نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس سال ہندوؤں کا تہوار دیوالی اور مسلمانوں کا تہوار عید دونوں اکٹھے آ گئے ہیں یعنی کل دیوالی کے ایام ختم ہوئے ہیں اور آج عید آ گئی ہے۔ بعض دفعہ اس طرح اکٹھے ایام آ جانے سے انسان کے خیالات کی رو خاص طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

ہم جو سندھ میں زمینداری کرتے ہیں اور جہاں سلسلہ کی زمینیں بھی ہیں اور میری اپنی زمینیں بھی وہاں ہمارے ایجنٹ ہندو ہوتے ہیں کیونکہ یہ کام کُلّی طور پر انہی کے ہاتھ میں ہے اس سال دیوالی کے قریب ان کے میرے نام تاریں آئیں کہ اس دن ہمیں کوئی چیز بیچنے یا خریدنے کی اجازت دی جائے اور بعض نے تو خط بھی لکھے کہ ہمارے نزدیک یہ دن بہت مبارک ہوتا ہے اور اس میں جو سودا کیا جائے وہ نفع مند سمجھا جاتا ہے اس لئے ہمیں اس دن کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کی اجازت دی جائے۔ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں شرک کی کوئی بات نہیں انہیں اجازت دے دی اور میں نے خیال کیا کہ ان کا دیوالی کے دن خرید و فروخت کے لئے متبرک قرار دینا ایسا ہی ہوگا جیسے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کے لئے جمعرات اور پیر کے دنوں میں سفر کرنے میں برکت رکھی گئی ہے۔ [۲] ممکن ہے ان میں سے اگر کوئی اخلاص کے ساتھ کام کرے تو اس کے لئے یہ برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدیم زمانہ میں دیوالی میں رکھی گئی ہو اس لئے میں نے انہیں اجازت دے دی مگر ساتھ ہی فوراً میرا ذہن ایک نئے مضمون کی طرف منتقل ہو گیا۔ دیوالی کا تہوار اتنا پرانا ہے کہ اس کی تاریخ ہی دنیا سے مٹ چکی ہے عجیب عجیب قسم کے خیالات ہیں جو ہندوؤں میں رائج ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ دن

شوجی کے جوا کھیلنے کی یادگار میں منایا جاتا ہے اور کوئی اسے کسی بزرگ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ زیادہ تر یہ خیال رائج ہے کہ رام چندر جی جب بن باس سے واپس آکر تخت نشین ہوئے تھے تو ان کی تخت نشینی کی خوشی میں یہ دن منانا شروع کیا گیا تھا۔ جیسے بادشاہ کی تخت نشینی پر چراغاں کیا جاتا ہے اسی طرح دیوالی کے موقع پر چراغاں کیا جاتا ہے۔ پس میرا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوا کہ دنیا میں وہ کامیابیوں کی یادگاریں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک تو قریب کی کامیابی کی یادگار ہے اور دوسری اتنی پرانی کامیابی کی یادگار ہے کہ تاریخ سے اس یادگار کی حقیقی وجہ تک معلوم نہیں ہوتی اور لوگ مختلف قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ کوئی اسے شوجی کے جوئے کی یادگار قرار دیتا ہے اور کوئی رامچندر جی کی تخت نشینی کی یادگار قرار دیتا ہے۔ غرض ایک طرف تو وہ کامیابی ہے جس کی تاریخ تک مٹ چکی ہے مگر پھر بھی اس کی یادگار کو بڑے اہتمام کے ساتھ منایا جاتا ہے اور دوسری طرف ایک لڑائی ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے۔ اتنی عظیم الشان لڑائی کہ اس کے مقابلہ میں رام چندر جی کی لڑائی کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک طرف انگریزوں، روسیوں، جرمنوں اور اٹلی والوں کی فوجیں لڑ رہی ہوں اور دوسری طرف گاؤں کے دو نوجوان گتکا لے کر مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوں جو نسبت ان دونوں کی آپس میں ہو سکتی ہے۔ وہی نسبت اس جنگ کی اور رام چندر جی کی جنگ کی ہے۔ یہ اتنی عظیم الشان لڑائی تھی کہ اس میں ساری دنیا کے لوگ شامل تھے اس میں جرمنی بھی شامل تھا، اس میں ترکی بھی شامل تھا، اس میں رومانیہ بھی شامل تھا، اس میں بلغاریہ بھی شامل تھا، اس میں سرویہ بھی شامل تھا، اس میں پولینڈ بھی شامل تھا، اس میں روس بھی شامل تھا، اس میں پرتگال بھی شامل تھا، اس میں انگلستان بھی شامل تھا، اس میں فرانس بھی شامل تھا، اس میں جاپان بھی شامل تھا، اس میں ہندوستان بھی شامل تھا، اس میں مصر بھی شامل تھا، اس میں عرب بھی شامل تھا، اس میں چین بھی شامل تھا، پھر اس میں امریکہ بھی شامل ہوا اور جنوبی امریکہ کی بعض سٹیٹس نے بھی لڑائی کی تائید میں اعلان کر دیا غرض سارا جہان اس لڑائی میں شامل ہوا۔ پھر سامانِ حرب یہ نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے پر پتھر مارتے تھے یا غلیل چلاتے تھے یا تیر اندازی کرتے تھے یا صرف تلوار سے کام لیتے تھے جیسے رام چندر جی نے تلوار یا تیر سے دشمن کا مقابلہ کیا بلکہ اس جنگ میں بم چلائے جاتے تھے۔ ایسی ایسی توپوں سے کام لیا جاتا تھا جو پچھتر پچھتر میل تک گولے پھینکتی تھیں اسی طرح ہوائی جہازوں کو لڑائی میں استعمال کرنے کا کام

اسی لڑائی میں شروع ہوا۔ ٹینک اسی لڑائی میں بننے شروع ہوئے جو فوجوں کی فوجوں کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ پھر اسی جنگ میں ٹرنچز کی لڑائی ایسی اہم صورت اختیار کر گئی کہ زمین کے اندر ہی اندر میلوں تک شہر بسے ہوئے ہوتے تھے۔ پھر یہ وہ جنگ تھی جس میں دو کروڑ آدمی بیک وقت شامل تھا۔ رام چندر جی کے زمانے میں تو ہندوستان اور لنکا کی ساری آبادی بھی دو کروڑ نہ ہوگی مگر یہ وہ لڑائی تھی جس میں صرف دو کروڑ سپاہی شامل تھا اور زخمی اور مرنے والوں کی تعداد ساٹھ لاکھ تھی۔ رام چندر جی کی لڑائی کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے اگر مبالغہ آمیز قصّوں کو نکال دیا جائے تو مرنے والوں کی تعداد چھ سو سے زیادہ نہیں ہوگی مگر یہ وہ جنگ تھی جس میں ساٹھ لاکھ آدمی کام آئے۔ اس عظیم الشان لڑائی کی یاد منانے کے لئے بھی دنیا نے ۱۱۔ نومبر کا دن [3] مقرر کیا تھا۔ مگر ۱۱۔ نومبر کا دن جس طرح سونا گذر جاتا ہے وہ لوگوں سے مخفی نہیں۔ ہندوستان کو جانے دو انگلستان جہاں گورنمنٹ اس دن کو تکلّف سے مناتی ہے وہاں بھی لندن والوں کے سِوا دیہات کے لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ پانچ سات سال تک تو اس دن کو خوب جوش سے منایا گیا تھا اور سمجھا گیا تھا کہ یہ ہمیشہ کے لئے ایک قومی تہوار بن جائے گا مگر اب اس دن کے ساتھ لوگوں کی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ امریکہ جو خود لڑائی میں شامل تھا وہاں تو لوگوں کو خیال بھی نہیں آتا کہ یہ دن کب آیا اور کب گذر گیا۔ ہندوستان میں اس دن صرف دو منٹ خاموش رہنے کو کہا جاتا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ گورنمنٹ جانتی ہے اگر زیادہ وقت خاموش رہنے کے لئے کہا گیا تو کوئی مانے گا نہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ سال میں سے صرف ایک دن اور وہ بھی صرف دو منٹ خاموش رہنا ہوتا ہے پھر بھی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ دو منٹ کب آئے اور کب گزر گئے۔ پہلے انہیں پتہ لگتا ہے کہ ابھی خاموش ہونے میں پانچ منٹ باقی ہیں اور پھر گھڑی دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دو منٹ پر پانچ اور منٹ گذر چکے ہیں اس طرح ان کے دو منٹ کبھی آتے ہی نہیں۔

یہ جنگ ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی تھی [4] اور اب ۱۹۴۱ء ہے گویا اس یادگار کو قائم ہوئے ابھی صرف ۲۳ سال ہوئے ہیں مگر اس ۲۳ سال کے اندر اندر یہ تحریک اپنی ساری طاقت اور دلکشی کھو بیٹھی ہے۔

اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کا ایک مامور اور مرسل ایسے تاریک زمانہ میں پیدا ہوا جس

کی تاریخ تک محفوظ نہیں اور ایسے ملک میں مبعوث ہوا جہاں کے رہنے والوں کو اگر وہ سمندر پار جاتے تو دھرم سے خارج کر دیا جاتا تھا اور خشکی کے ذریعہ بھی اگر کوئی ہندوستان سے باہر جاتا تو اسے بے دین سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد اسے بڑی بڑی عبادتیں کرنی پڑتی تھیں اور بڑے بڑے حرجانے ادا کرنے پڑتے تھے تب اسے قوم میں داخل کیا جاتا تھا۔ ۵ گویا اپنے ملک کے اندر ہی محدود رہنے والی ایک قوم جس کا غیر ممالک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا اس کے ایک چھوٹے سے واقعہ کو صرف اس وجہ سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک مامور اور مرسل کے ساتھ پیش آیا۔ خدا تعالیٰ نے ہزارہا سال سے قائم کیا ہوا ہے اور زمانہ اس یادگار کو مٹا نہیں سکا حالانکہ رامچندر جی کے ساتھ اس وقت لاکھوں یا کروڑوں آدمی نہیں تھے۔ ان کا باپ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ تھا۔ ۶ پس ان کے ساتھ کسی واقعہ کا پیش آنا ایسا ہی تھا جیسے کپورتھلہ یا اس سے کم درجہ کی کسی ریاست کے راجہ کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آجائے مگر صرف اس لئے کہ وہ انسان خدا تعالیٰ کا پیارا تھا اور خدا تعالیٰ سے کامل تعلق رکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی کامیابی اور فتح کو جو پیشگوئیوں کے ماتحت تھی اتنا عظیم الشان نشان بنا دیا کہ اس فتح کے ہزاروں سال بعد آج جب کہ ہندوستان کی ۳۸ کروڑ آبادی میں سے ۲۰ کروڑ سے زیادہ ہندو ہیں وہ بیس کروڑ کی تمام آبادی اس روز ایسی خوشیاں مناتی ہے کہ شاید اپنے بیٹے کی پیدائش اور شادی پر بھی کسی نے ایسی خوشی نہیں منائی ہوگی۔

اب دیکھو کجا دو ہزار سال سے زائد عرصہ کا ایک واقعہ جس کا لوگوں کے قلوب پر اتنا عظیم الشان اثر ہے کہ آج بھی اس واقعہ کی یادگار میں ہر ہندو گھر میں خوشی منائی جاتی ہے اور کجا یہ حالت کہ دنیا میں ایک بہت بڑی جنگ لڑی جاتی ہے اور اس میں تمام حکومتیں حصہ لیتی ہیں مگر وہ ساری حکومتیں مل کر بھی اس کی یادگار میں لوگوں کو دو منٹ خاموش نہیں کرا سکتیں یہ کیسا عظیم الشان فرق ہے اور خدا کے فعل اور بندے کے فعل میں کتنا نمایاں امتیاز نظر آتا ہے۔

پھر اس واقعہ کے ساتھ ہی ایک اور عظیم الشان واقعہ مجھے یاد آیا جو دشمنوں کے مقابلہ میں رامچندر جی کی فتح سے بھی زیادہ شاندار ہے۔

رام چندر جی کی فتح کا نشان تو اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ خدا کا ایک مامور اور مرسل اپنے گھر سے نکال دیا گیا تھا، وطن سے بے وطن کر دیا گیا تھا مگر پھر خدا اسے فاتح اور کامیاب کر کے

اور درمیانی مشکلات کو دور کر کے اپنے ملک میں واپس لایا اور اسے اپنی قوم کی اصلاح کا موقع دیا۔ مگر ایک اور شخص تھا جو رامچندر جی سے بھی پہلے گذرا تھا نام بھی اس کا رام سے ہی ملتا ہے حتیٰ کہ بعض لوگ اسی اشتراک کی وجہ سے اس طرف چلے گئے ہیں کہ رام اور ابراہیم ایک ہی شخص تھے ۷؎ مگر وہ دنیوی لحاظ سے رام چندر جتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ رام چندر کے باپ تو راجہ تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک معمولی زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ بھی بعد میں زمیندار بنے۔ ۸؎ پہلے اپنے چچا کی دکان پر مال بیچا کرتے تھے اور وہ دکان بتوں کی تھی۔ ان کا باپ بچپن میں فوت ہو چکا تھا چچا نے انہیں اپنی دکان پر بٹھا دیا ۹؎ مگر ان کا سودا بیچنے کا طریق عجیب تھا۔ یہودی تاریخوں میں آتا ہے کہ ایک دن دکان پر ایک بڈھا شخص آیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہئے۔ اس نے کہا مجھے ایک بت کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دکان کے تمام بت اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیئے اور کہا ان میں سے جو پسند آئے وہ لے لو۔ اس نے خوب دیکھ بھال کے بعد ایک بت چنا اور جب اس کی قیمت دینے لگا تو باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت صرف چودہ پندرہ سال کی تھی، وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ بڈھا ان سے کہنے لگا کہ لڑکے تم ہنسے کیوں؟ انہوں نے کہا بابا! آپ کی عمر کیا ہوگی اس نے ستر چھتّر یا اسّی سال کی عمر بتائی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سن کر پھر ہنسے اور کہنے لگے میرا چچا یہ بت کل بنا کے لایا ہے کیا اتنی بڑی عمر کے ہو کر تمہیں اس بت کے آگے سر جھکاتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ اس بات کا اس بڈھے پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے بت وہیں پھینکا اور چلا گیا۔ ۱۰؎

آپ کے چچیرے بھائیوں نے اس واقعہ کی اپنے باپ سے شکایت کی اور کہا کہ اگر ابراہیم دکان پر بیٹھا رہا تو وہ اسے اجاڑ دے گا چنانچہ چچا نے ان کو دکان سے اٹھا دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کئی تکالیف کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ دیا اور کنعان میں آگئے۔ یہاں آ کر انہوں نے کچھ گلے بکریوں کے رکھ لئے اور انہی پر گزارہ کرنا شروع کر دیا۔ ۱۱؎ آہستہ آہستہ خدا نے ان کو برکت دی اور شاید سو دو سو بکریاں اور پندرہ بیس گائیں ان کے پاس ہونگی یہ ان کی کل جائداد تھی گویا دُنیوی لحاظ سے رام چندر جی کی دُنیوی حیثیت کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ مگر ابراہیمؑ کی یاد کو بھی چونکہ خدا نے ہمیشہ کے لئے زندہ رکھنا تھا اس لئے خدا نے ابراہیمؑ سے کہا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو۔ حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے اسی وقت چھری لی بچے کو لٹایا اور چاہا کہ اسے ذبح کر دیں اتنے میں خدا نے ان پر الہام نازل کیا کہ یَا اِبْرَاهِیْمُ o قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا [۲] اے ابراہیم! اس بات کو جانے دے تو نے جو کچھ دیکھا تھا اسے اپنی طرف سے تو نے پورا کر دیا ہے مگر ہمارا یہ منشاء نہیں تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ اس رؤیا میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا مکہ کے بے آب و گیاہ علاقہ میں چھوڑنا پڑے گا تاکہ وہاں ان لوگوں کی آبادی ہو جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے' اعتکاف کرنے والے اور دین کی خدمت کرنے والے ہوں [۳] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو وہاں جا کر چھوڑ دیا [۴] اور خدا تعالیٰ نے رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں نے کعبہ کی دوبارہ بنیاد رکھی اور اس طرح اسلام کی بنیاد کعبہ کی بنیاد کے ساتھ ہی قائم کر دی گئی۔ عید الاضحیہ جسے بڑی عید بھی کہتے ہیں درحقیقت اسی قربانی کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔ [۵] پھر دیکھ لو اس دن کو مسلمان کیسی خوشی کے ساتھ مناتے ہیں۔ امیروں کو جانے دو کئی غرباء بھی عید کے دن جانوروں کی قربانی کرتے اور اپنے دل میں بہت بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں حالانکہ عید کے دن اتنا گوشت ہوتا ہے کہ اگر مسلمان صحیح طور پر تقسیم کریں تو کوئی گھر ایسا نہ رہے جس میں گوشت نہ پہنچ جائے۔ مکہ میں تو گوشت کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ دُنبوں کو ذبح کر کے گڑھوں میں دبا دیا جاتا ہے۔ حج کے دنوں میں پچاس ساٹھ ہزار حاجی جمع ہوتے ہیں اور بعض دفعہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر شخص صرف اپنی طرف سے ہی قربانی نہیں کرتا بلکہ کوئی اپنے ماں باپ کی طرف سے قربانی کرتا ہے اور کوئی کسی اور رشتہ دار اور دوست کی طرف سے۔ میں نے ہی سات آٹھ دنبے قربانی کئے تھے جن میں اپنے علاوہ ایک ایک دُنبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ' حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول کی طرف سے بھی تھا۔ اور جو زیادہ حیثیت رکھنے والے ہیں وہ تو بیس بیس تیس تیس دنبے قربانی کرتے ہیں اس طرح دنبوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اتنے دُنبوں کو بھلا کون کھا سکتا ہے اسی لئے گورنمنٹ نے گڑھوں کا انتظام کیا ہوا ہوتا ہے۔ قصاب چھری پھیرتے اور کھال اتار کر فوراً گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ البتہ ایسے موقع پر ادھر ادھر سے اعراب آ جاتے ہیں اور وہ بعض موٹے تازے دنبے چھین جھپٹ کر لے جاتے ہیں۔ میں نے ہی جب دُنبے ذبح کرانے چاہے تو

قصاب کہنے لگا ذرا احتیاط سے کھڑے ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی چھین کر لے جائے کیونکہ آپ کے ایک دو دُنبے بہت اچھے ہیں۔ میں نے تو اسے ہنسی ہی سمجھا مگر اس نے چھری پھیر کر ابھی اٹھائی بھی نہ تھی کہ میں نے دیکھا دُنبہ گھسٹتا ہوا جا رہا ہے اور دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ پس بے شک ایسا بھی ہوتا ہے مگر بدوی آکر گوشت لے جاتے ہیں مگر وہ بھی ایسا دُنبہ لے جاتے ہیں جو چندہ ہو ورنہ وہاں اتنا دنبہ ذبح ہوتا ہے کہ جیسے بوجھ اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح لوگ دُنبوں کو ذبح کر کے اور گڑھوں میں دبا کر چلے آتے ہیں۔

تو یہ دن ساری دنیا میں نہایت اہتمام سے منایا جاتا ہے اور لوگ اس قدر جوش سے قربانی کرتے ہیں کہ ہندو مسلم فساد اس عید کا نشان مقرر ہو گیا ہے۔ گویا صرف بکرے اور دُنبے وغیرہ ہی ذبح نہیں ہوتے بلکہ کچھ ہندوؤں اور مسلمانوں کا خون بھی اس دن گرایا جاتا ہے۔ یہ جوش لوگوں کی طبائع میں آخر کیوں پایا جاتا ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے طبائع میں یہ جوش پیدا کیا ہے ورنہ کُجا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ جو آج سے چار ہزار سال پہلے آئے [۱۶] اور جن سے ساری دنیا کا نہ کوئی قومی تعلق تھا نہ مذہبی نہ نسلی اور نہ سیاسی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی بڑے بادشاہ نہیں تھے اور نہ کوئی بڑے عالم۔ (عالم سے میری مراد دنیوی علوم جاننے والے کی ہے۔ جیسے سیاستدان یا ریاضی دان) پھر نہ وہ کوئی مشہور طبیب تھے نہ فلسفی تھے نہ موجد تھے نہ سیاستدان تھے نہ انہوں نے ریاضی کی کوئی دریافت کی تھی اور نہ جغرافیہ یا علم ہیئت وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا صرف انہوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حالانکہ یہ بات ایسی ہے جو ہندوستان میں آج کل بھی پائی جاتی ہے اور سینکڑوں بچے دیویوں پر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ کئی ظالم لوگ اپنی مالی تکالیف دور کرنے کے لئے اپنے یا کسی اور کے بچے کو لکشمی دیوی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے کالی دیوی کے سامنے اپنے یا کسی اور کے بچہ کو ذبح کر دیتے ہیں [۱۷] اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی مصیبتیں دور ہو جائیں گی اور ان کے دل اتنے سخت ہوتے ہیں کہ اس کا ان کی طبیعت پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ سینکڑوں واقعات اس قسم کے ہوتے رہتے ہیں اور سینکڑوں بچے کالی دیوی یا لکشمی دیوی پر قربان کر دیئے جاتے ہیں مگر ان قربانی کرنے والوں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کو اگر کوئی جانتا ہے تو پولیس والے جو مجرموں کو ہتھکڑی لگا لیتے ہیں۔ پھر ان پر مقدمہ چلتا ہے اور آخر انہیں سزا ہو جاتی ہے۔ اس پر بعض

اخبارات والے کوئی مضمون شائع کر دیتے ہیں اور ان کے پچاس ساٹھ پرچے زیادہ بِک جاتے ہیں مگر دوسرے دن کوئی جانتا بھی نہیں کہ کیا ہوا تھا۔ اور ایک سال کے بعد تو تمام واقعات لوگوں کے ذہن سے اُتر جاتے ہیں مگر اس کے مقابلہ میں تم دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کو مارا نہیں بلکہ اسے مارنے کے لئے صرف اپنی چھری اٹھائی تھی مگر اس چھری اٹھانے کو خدا نے اتنی اہمیت دی اتنی اہمیت دی کہ قوموں کی قومیں' ملکوں کے ملک اور نسلوں کی نسلیں اس واقعہ کو یاد کر کے خوشی مناتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' عرب میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' ایران میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' چین میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' سماٹرا میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' جاوا میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' سنگاپور میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' ملایا میں بھی خوشی منائی جاتی ہے' امریکہ کے مختلف علاقوں میں بھی خوشی منائی جاتی ہے۔ غرض کس کس ملک کا نام لیا جائے کوئی بھی ایسا علاقہ نہیں جہاں مسلمان ہوں اور یہ عید نہ منائی جاتی ہو حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچہ کو ذبح نہیں کیا تھا بلکہ ذبح کرنے کے ارادہ سے انہوں نے صرف چُھری اٹھائی تھی۔

اب دیکھو کُجا تو یہ حالت ہے کہ ساٹھ لاکھ آدمی ایک جنگ میں مارا جاتا ہے مگر بیس سال تک قومیں اور حکومتیں مل کر بھی اس کی یادگار کو قائم نہیں رکھ سکتیں اور کُجا یہ حالت کہ ابراہیمؑ جو سَو دو سَو بکریوں اور تیس چالیس گائیوں کا مالک تھا وہ خدا کے حکم کے ماتحت اپنے بچہ کو ذبح کرنے کے لئے صرف چُھری اٹھاتا ہے اور خدا اس کی یادگار کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے قائم کر دیتا ہے اور آج تک وہ دنیا کے ہر حصہ میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ یہ تو وہ عید ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی سے تعلق رکھتی ہے مگر روزوں کی عید رسول کریم ﷺ کی عید ہے کیونکہ اس عید کا کسی پہلے زمانہ میں پتہ نہیں لگتا۔ رسول کریم ﷺ سے ہی یہ عید جاری ہوئی ۱۸ مگر دیکھ لو اس دن بھی مسلمان کتنی خوشیاں مناتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ بھی خوشیاں مناتے ہیں جن کی حالت پر رونا آتا ہے۔ چنانچہ کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو مہینہ بھر فاقہ کرتے ہیں اور عید کے دن پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں مگر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو رمضان میں بھی فاقہ کرتے ہیں اور عید کو بھی فاقہ سے رہتے ہیں لیکن پھر بھی عید کے دن ان کے چہروں سے خوشی اس طرح پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہوتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے موٹے دُنبوں کی چربی کا پلاؤ کھا کر وہ باہر آئے ہیں۔

اب غور کرو اس خوشی کی کیا وجہ ہے؟ اور کیوں مسلمان اس عید کے دن خوش ہوتا ہے۔ اگر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ ایک مسلمان آج کے دن اس لئے خوش ہوتا ہے کہ آج ہمارے محمد ﷺ خوش ہوئے تھے۔ پس چونکہ آج رسول کریم ﷺ خوش ہوئے تھے اس لئے ہر مسلمان بھی آج خوش ہوتا ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہے جو فطرت انسانی میں داخل ہے فطرتاً ہر انسان جب اپنے محبوب کو کسی بات پر خوش دیکھتا ہے تو وہ بھی خوش ہوتا ہے۔ اس کی ایک نہایت لطیف مثال آنحضرت ﷺ کے واقعہ میں ملتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا طریق تھا کہ جب مہمان آتے تو کچھ خود رکھ لیتے اور باقی کے لئے آپ مسجد میں اعلان فرما دیتے کہ اتنے مہمان آئے ہوئے ہیں کون کون دوست انہیں اپنے گھروں میں لے جا کر کھانا کھلا سکتے ہیں۔ اس پر کوئی ایک مہمان کو اور کوئی ایک سے زیادہ مہمانوں کو اپنے ساتھ لے جاتا اور اس طرح ان کی مہمان نوازی ہو جاتی۔ [۱۹]

ایک دفعہ ایک مہمان آیا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے گھروں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ آپؐ نے مسجد میں اعلان کر دیا کہ ایک دوست مہمان آئے ہیں کوئی انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے تو لے جائے۔ اس پر ایک غریب صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! انہیں میرے سپرد کر دیجئے۔ چنانچہ وہ مہمان کو اپنے ساتھ لے کر گھر گئے اور بیوی سے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ تھوڑا سا کھانا تو موجود ہے مگر وہ بچوں کے لئے بھی بمشکل کفایت کر سکے گا۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہم کھانا اپنے بچوں کو کھلا دیں اور خود بھوکے رہیں۔ انہوں نے کہا رسول کریم ﷺ کی تحریک پر ایک مہمان کو میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں اس لئے بچوں کو دلاسہ دے کر بھوکا ہی سُلا دو اور کھانا مہمان کو کھلا دو۔ اس نے کہا بہت اچھا میں ایسا ہی کروں گی مگر ایک مشکل ہے اور وہ یہ کہ عرب کا مہمان اکیلا کھانا نہیں کھاتا وہ ضرور اصرار کرے گا کہ ہم بھی اس کے ساتھ کھانا کھائیں اور چونکہ کھانا صرف اسی کے لئے ہے اس لئے ہمیں سخت مشکل پیش آئے گی ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے سے انکار بھی نہیں کر سکیں گے اور کھا بھی نہیں سکیں گے کیونکہ کھانا تھوڑا ہے۔ پردہ کا حکم اُس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا۔ [۲۰] اور عرب کے دستور کے مطابق مہمان گھر والوں کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ شامل کرنے پر اصرار کیا کرتا تھا۔ [۲۱] آخر کچھ سوچنے کے بعد وہ صحابی کہنے لگے میرے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ جب ہم سب کھانا کھانے بیٹھیں تو

میں تمہیں کہوں گا کہ روشنی ذرا تیز کرو اور تم اس وقت روشنی ٹھیک کرنے کے بہانہ سے اٹھ کر چراغ کو گُل کر دینا۔ اس پر میں کہوں گا کہ اب تو اندھیرا ہو گیا اور یہ ٹھیک نہیں اس لئے کسی ہمسایہ کے گھر جا کر آگ جلا لاؤ اور تم یہ جواب دے دینا کہ اس وقت ہمسائے سو چکے ہیں انہیں تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے اندھیرے میں ہی کھانا کھا لیا جائے۔ مہمان بھی کہے گا کہ تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے اندھیرے میں ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔ اس پر اندھیرے میں ہم اس کے ساتھ بیٹھ جائیں گے اور منہ ہلا کر کھانا کھانے کی آواز نکالتے جائیں گے وہ سمجھے گا کہ ہم اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ عورت نے بچوں کو دلاسہ دے کر بھوکا سُلا دیا اور جب مہمان کے ساتھ میاں بیوی کھانا کھانے بیٹھے تو میاں اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ ذرا روشنی تیز کر دو۔ ان دنوں مٹی کے دیئے ہوا کرتے تھے اس نے روشنی ٹھیک کرنے کے بہانہ سے اٹھ کر چراغ کو گل کر دیا اور اندھیرا ہو گیا۔ وہ صحابی کہنے لگے اب کسی ہمسایہ کے گھر جا کر آگ مانگ لاؤ۔ وہ کہنے لگی ہمسائے سب سو چکے ہیں اب میں کہاں سے روشنی لاؤں۔ اندھیرے میں ہی کھانا کھالو۔ مہمان بھی کہنے لگا تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے اندھیرے میں ہی کھانا کھا لیتے ہیں۔ چنانچہ اندھیرے میں ہی کھانا کھانا شروع کر دیا گیا۔ اور وہ دونوں اس کے ساتھ بیٹھ کر خالی منہ ہلا ہلا کر کھانے کی آواز پیدا کرنے لگے۔ مہمان یہ خیال کرتا رہا کہ وہ بھی ساتھ ہی کھانا کھا رہے ہیں مگر دراصل وہ کچھ کھا نہیں رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو وہ صحابی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا آج خدا نے عرش سے مجھے ایک بات بتائی ہے۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے ہی تمام واقعہ سنایا کہ کس طرح ایک شخص رات کو ایک مہمان اپنے ہاں لے گیا اور اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کرنے کے بعد بچوں کو بھوکا سُلا دیا، روشنی گُل کر دی اور خود اس کے ساتھ بیٹھ کر خالی منہ ہلا ہلا کر کھانے کی آواز نکالتے رہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد آپؐ زور سے ہنسے قہقہہ مار کر نہیں کیونکہ قہقہہ مارنا آپؐ کی عادت نہیں تھی ۲۲؎ بلکہ نسبتاً کچھ بلند آواز سے۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا تم جانتے ہو میں کیوں ہنسا ہوں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں تو معلوم نہیں۔ آپؐ نے فرمایا خدا اس واقعہ کو دیکھ کر عرش پر ہنسا اس لئے میں بھی اس واقعہ پر ہنس پڑا۔ ۲۳؎ یہی حال اس دن مسلمانوں کا ہوتا ہے ان کی خوشی بھی اس دن کھانے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے ہوتی ہے کہ ان کا آقا اور محبوب محمد رسول اللہ ﷺ اس دن خوش

ہوا تھا۔

گو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے بعض لوگوں کے لئے رمضان ایسا ہی آتا ہے جیسے گھوڑے کے لئے خَوِید [۲۴] ہوتی ہے وہ بھی ان دنوں خوب گھی استعمال کرتے اور قسم قسم کے مرغن کھانے کھاتے ہیں۔ سحری اور افطاری کا خاص طور پر انتظام کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رمضان تو لوگوں کو دبلا کرنے کے لئے آتا ہے مگر وہ رمضان کے بعد پہلے سے بھی زیادہ موٹے ہو جاتے ہیں اور کئی لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو روزہ تو نہیں رکھتے مگر افطاری ضرور کرتے ہیں۔ لطیفہ مشہور ہے کہ ایک لونڈی تھی جو سحری کے وقت ضرور اٹھا کرتی تھی مگر روزہ نہیں رکھتی تھی۔ ایک دن اس کی مالکہ نے اسے کہا کہ لڑکی! تُو اپنی نیند کیوں خراب کرتی ہے جب تو نے روزہ نہیں رکھنا ہوتا تو سحری کے وقت اٹھنے کا کیا فائدہ؟ وہ کہنے لگی بی بی نماز میں نہیں پڑھتی، روزہ میں نہیں رکھتی اب سحری بھی نہ کھاؤں تو کافر ہی ہو جاؤں۔ گویا شریعت کے تین ارکان ہیں۔ نماز، روزہ اور سحری۔ بچوں کو دیکھا جائے تو وہ بھی سحری کے وقت ضرور اُٹھتے ہیں مگر دن بھر انہیں روزہ کا خیال تک نہیں آتا۔ تو رمضان بھی آسودہ حال لوگوں کے لئے خوید بن جاتا ہے اور وہ اس قدر مرغّن غذائیں ان دنوں استعمال کرتے ہیں کہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی عید کے دن وہ خاص خوشی محسوس کرتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں ایک اور طبقہ ہے جس کے لئے رمضان اور عید دونوں یکساں ہوتے ہیں۔ رمضان میں بھی انہیں روٹی نہیں ملتی اور عید کے دن بھی انہیں روٹی نہیں ملتی۔ صرف ایک چھوٹا سا طبقہ ایسے لوگوں کا رہ جاتا ہے جو صحیح طریق پر روزے رکھتے ہیں اور پھر ان کے ختم ہونے پر اس وجہ سے کہ تکلیف کے دن جاتے رہے وہ راحت اور آرام محسوس کرتے ہیں اور سچے ایماندار تو پھر ان میں اور بھی کم ہوتے ہیں مگر ان کے لئے رمضان کا جانا کسی خوشی کا موجب نہیں بلکہ رنج کا موجب ہوتا ہے۔ اگر صرف رمضان کے گذرنے کا سوال ہوتا تو سچے مومن اس دن خوش ہونے کی بجائے غمگین ہوتے مگر وہ صرف اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس دن خوش ہوئے تھے۔ ورنہ ہم نے تو دیکھا ہے رمضان کے ختم ہونے پر بہت لوگ حسرت کے ساتھ آہیں بھر کر کہتے ہیں کہ بڑی برکتوں کے دن تھے جو چلے گئے اب کوئی خوش نصیب ہی ہوں گے جو اگلے سال پھر رمضان پائیں گے اور پھر انہیں خاص عبادت

اور دعاؤں کا موقع ملے گا۔ پس ان کے لئے رمضان کا فاقہ کسی دکھ کا موجب نہیں بلکہ راحت اور آرام کا موجب ہوتا ہے اور انہیں رمضان کے ہر فاقہ میں رحمت کے خزانے پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ پس عید کے دن ہمارا خوش ہونا اس لئے نہیں ہوتا کہ رمضان گذر گیا بلکہ درحقیقت ہماری عید کی خوشی اس لئے ہوتی ہے کہ اس روز محمد رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے تھے۔ پس یہ عید محمد ﷺ کی خوشی کی یادگار ہے اور عید الاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے۔ اب دیکھو کہ اس عید کے آنے پر کس طرح تمام دنیا کے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور کس طرح مسلمان خواہ وہ مشرق میں رہتے ہوں یا مغرب میں اس دن کو مناتے ہیں اور یہ عید چند سالوں سے نہیں بلکہ ساڑھے تیرہ سو سال سے منائی جاتی ہے۔ مگر ساڑھے تیرہ سو سال گذرنے کے باوجود اسی جوش اور اسی شوق کے ساتھ اس عید کو منایا جاتا ہے جس جوش اور جس شوق کے ساتھ شروع میں اس عید کو منایا گیا تھا اور اس ایک دن کی خوشی لانے کے لئے مسلمان تیس دن کے روزے رکھتے اور مسلسل تیس دن اللہ تعالیٰ کے لئے فاقہ کرتے ہیں محض اس لئے کہ انہیں وہ خوشی حاصل ہو جو محمد ﷺ کو اس روز حاصل ہوئی تھی اور محمد ﷺ کی خوشی اس لئے تھی کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ میری قوم خدا کے لئے فاقے برداشت کرنے اور خدا کے لئے اپنی نیند ترک کرنے اور خدا کے لئے اپنی نسل کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئی ہے یہی نکتہ تھا جس کی وجہ سے محمد ﷺ کو خوشی ہوئی۔ آپؐ نے جب دیکھا کہ مسلمان خدا کے لئے تیس دن فاقہ برداشت کرتے رہے ہیں' تیس دن تک وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے رہے ہیں اور تیس دن تک وہ مشقّت اور تکالیف برداشت کرتے رہے ہیں تو تیس دن کی اس قربانی کے بعد محمد ﷺ کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی اور انہوں نے کہا کہ خدا کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ میرے ذریعہ اس نے ایک ایسی قوم تیار کر دی ہے جو خدا کے لئے فاقہ کرنے' خدا کے لئے عبادتیں کرنے' خدا کے لئے دعائیں کرنے اور خدا کے لئے اپنی نیند ترک کرنے کے لئے تیار ہے۔

غرض خوشی کے وہ ایام جو مذاہب نے مقرر کئے ہیں ان کو آج تک ہزاروں سال گذرنے کے باوجود بڑے جوش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ مگر جو ایام قومیں یا حکومتیں مقرر کرتی ہیں وہ چند سالوں میں ہی اپنی تمام دلکشی کھو بیٹھتے ہیں۔ عیسائیوں میں ہی جو مذہبی عیدیں مقرر ہیں وہ ہر گوشۂ عالَم میں بڑے جوش سے منائی جاتی ہیں۔ ان کے لئے لنڈن کی ضرورت نہیں'

ان کے لئے گورنمنٹ کے انتظام کی ضرورت نہیں۔ ایک غریب سے غریب شخص جو سکاٹ لینڈ کے ایک جھونپڑے میں رہتا ہے وہ بھی کسی مذہبی خوشی کے دن اپنے گھر میں بیٹھ کر عید منا رہا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دنیا کے سارے میلے اس کے گھر میں جمع ہیں۔ یہی حال یہودیوں اور سکھوں وغیرہ کا ہے جو ایام سکھوں کے گوروؤں نے مقرر کئے ہیں وہ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی اس خوشی کے ساتھ منائے جاتے ہیں کہ لوگ اپنی ذاتی خوشیاں اس دن بھول جاتے ہیں اور ان مذہبی ایام کی خوشیوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔

یہ کتنا بڑا امتیاز اور کتنا عظیم الشان نشان ہے جو ہمیں نظر آتا ہے کہ دنیا میں ایک طرف ایک اتنی بڑی جنگ لڑی جاتی ہے جس میں پندرہ بیس حکومتیں شامل ہوتی ہیں، لاکھوں آدمی مارے جاتے ہیں اور پھر جب وہ جنگ ختم ہوتی ہے تو حکومتیں فیصلہ کرتی ہیں کہ اس کی یادگار میں فلاں دن منایا جایا کرے مگر ابھی ۲۳ سال بھی نہیں گزرتے کہ وہ دن اپنی تمام شان کھو بیٹھتا ہے۔ صرف چند شہروں میں اسے رسمی طور پر منایا جاتا ہے اور محض اس ڈر سے کہ لوگ تعمیل نہیں کریں گے صرف دو منٹ خاموش رہنے کے لئے کہا جاتا ہے مگر دو منٹ چپ رہنے والے بھی نہیں ملتے اور جو لوگ اس دن خوشی مناتے ہیں ان میں سے اکثر صرف اس لئے خوشی مناتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر یا کمشنر یا گورنر سے جا کر کہہ سکیں کہ ہم نے اس دن یہ کام کیا ہے تاکہ خطاب کی لسٹوں میں یا آنریری مجسٹریٹوں کی لسٹ میں ان کا نام آ جائے۔ مگر دیوالی کے لئے، عید کے لئے، ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے دوسرے مذہبی ایام کے لئے بغیر کسی تحریک کے بے انتہاء جوش ہوتا ہے۔ ہر مقام پر ہر شخص ان دنوں میں خوشی مناتا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان دنوں کی خوشی ہر مذہب کے مومنوں کے لئے ایسی زیادہ ہوتی ہے کہ کئی مخلص ایسے نکلیں گے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم اپنی عید نہ مناؤ تمہیں آنریری مجسٹریٹ بنا دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہم دس لاکھ لعنت تمہاری آنریری مجسٹریٹی پر ڈالتے ہیں اور ہم اپنی عید چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے جو خدا کے کاموں میں اور دنیا کے کاموں میں نظر آتا ہے۔ اور کس طرح اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات کو خدا تعالیٰ قائم کرنا چاہتا ہے وہ خود بخود دلوں میں گھر کرتی چلی جاتی ہے اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو مٹا نہیں سکتی۔ مگر جس چیز کو دنیا قائم کرنا چاہے وہ نہایت ہیچ، نہایت کمزور اور نہایت ناپائیدار ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہم سب کو یہ کوشش کرنی چاہئے

کہ تمہاری خوشیاں وہ ہوں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آئیں تاکہ ان کو پائیداری اور دوام حاصل ہو۔ اپنی ذاتی خوشیاں نہ ہوں اور نہ گورنمنٹوں کی تجویز کی ہوئی خوشیاں ہوں بلکہ ہماری تمام خوشیاں اور ہماری تمام مسرتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں تاکہ وہ ہمارے لئے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے صحیح معنوں میں راحت اور آرام کا موجب ہوں اور ان کو بقا اور دوام حاصل ہو۔

(الفضل ۴۔ نومبر ۱۹۴۱ء)

۱؎ شیعہ حضرات ہر سال دس محرم کو حضرت امام حسین کی شہادت (۱۰۔ محرم ۶۱ھ) کی یاد میں سوگ مناتے ہیں۔ حضرت امام شہیدؓ یزید کی فوجوں کے ساتھ لڑتے ہوئے کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے۔ (تاریخ الطبری الجزء الخامس صفحہ ۴۰۰)

۲؎

۳؎ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔ جلد ۲ صفحہ ۳۸۷ زیر لفظ Armisticeday

۴؎ جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۸ء) کا بیان ہے۔

۵؎ منوسمرتی ادھیائے ۳۔ منوسمرتی ادھیائے ۴۔ اشلوک ۳۸۔ منوسمرتی ادھیائے ۴۔ اشلوک ۷۶

۶؎ حضرت رام چندر اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے بیٹے تھے (انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۰ صفحہ ۵۶۷

۷؎

۸؎ پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۲ تا ۹

۹؎ جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱ صفحہ ۸۶ زیر لفظ ABRAHAM

۱۰؎ ایضاً

۱۱؎ پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۲ تا ۹

۱۲؎ الصّٰفّٰت: ۱۰۳ تا ۱۰۶

۱۳؎ ابراھیم: ۳۸، البقرۃ: ۱۲۶

۱۴؎ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی

۱۵؎ تفسیر دُرِّ منثور جلد ۴ صفحہ ۳۶۱

۱۶ تفسیر کبیر امام رازی جلد اول صفحہ ۴۸۶۔

۱۷ ہوشیار پور سے شائع ہونے والے ایک ماہوار (ہندی) رسالہ "وشوجیوتی" بابت ماہ نومبر ۱۹۶۸ء میں ایک خبر چھپی ہے:۔ "گذشتہ ۲۱۔ مئی کو راجستھان کے ضلع اودے پور میں ایک تالاب کی بنیاد رکھتے وقت ایک ٹھیکیدار نے ایک بارہ برس کی عمر کے بچے گورنام سنگھ کو قتل کر کے اس کی بھینٹ دیدی۔"

۱۸ مدینہ میں ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی دفعہ عید الفطر منائی گئی۔ صحیح بخاری کتاب بنیان الکعبۃ باب ایام الجاھلیۃ۔ تاریخ الطبری الجزو ۳ صفحہ ۱۲۸۱ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۴۱۸ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۶۱ء

۱۹ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب السمر مع الاھل والضیف۔ صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب اکرام الضیف و فضل ایثارہ

۲۰ ۵ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شادی کی تقریبِ سعید کے دوران پہلی بار پردہ کا حکم نازل ہوا۔ الاحزاب:۶۰' بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لا تدخلوا بیوت النبی الخ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۵۶۲ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۶۱ء

۲۱ صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب السمر مع الاھل والضیف۔

۲۲ صحیح بخاری کتاب الادب باب التبسم و الضحک شمائل ترمذی باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۳ صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب اکرام الضیف و فضل ایثارہ۔

۲۴ خَوِیْد: ہرے جَو۔ جوی یا گندم جو گھوڑے کو کھلاتے ہیں (علمی اردو لغت صفحہ ۶۹۱ مطبوعہ ۱۹۹۶ء لاہور)